خواہش جو حسرت بن گئی

سیف اللہ خالد

پچھلے برس مئی کے آخر میں مرزا ملعون کے صد سالہ یومِ مرگ پر اس کی ذریت نے پاکستان کو اپنی جارحانہ تبلیغ کا ہدف قرار دیا تو مضبوط ایمان کی سند اور آخرت میں یقینی کامیابی کا اطمینان رکھنے والے اربابِ قیادت وسیادت پورے سکون سے محوِ استراحت رہے مگر کچھ کمزور ایمان اور محض حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب شفاعت کی امید رکھنے والوں کی گنہگار دل خزاں رسیدہ پتوں کی طرح لرزاٹھے۔ اہل تقویٰ کے خراٹے یوں ڈرانے لگے جیسے اندھیری شب ویرانے میں رستہ بھول جانے کے خوف کا شکار بچہ اپنے ہی قدموں کی آہٹ سے دہل جاتا ہے۔ بے کسی، بے بسی کے عالم میں توکل علی اللہ کی پونجی کے ساتھ اپنی سی کوشش کا آغاز کرنا چاہا تو پیر مہر علی شاہؒ یاد آ گئے۔

کتھے مہر علی ، کتھے تیری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا لڑیاں

جھولیاں بھر بھر محبت بانٹنے والا عظیم صوفی، ختم نبوت پر ڈاکہ ڈالنے والوں کو للکار کر غیرتِ دینی کا ثبوت دینے والے اوّلیں مجاہدوں کے سالار، دلائل کے انبار سے جھوٹی نبوت کو بے نقاب کرنے والے عالم بے بدل۔ اقبالؒ جیسے عبقری کو جن سے کسبِ فیض کی تمنا کبھی تمام نہ ہوئی۔ امیر شریعتؒ جیسے نابغۂ عصر کو جن سے بیعت پر عمر بھر فخر رہا...... کیوں نہ رہنمائی کے لیے شیخ اور اُس کے مرید کے خاندان کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے؟ سوچ سوال بنی اور اسے فیصلہ کی صورت مجسم ہونے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ حکم ہوا کہ گولڑہ جا کر باادب درخواست کی جائے کہ ایک بار پھر ہاتھ بڑھایئے کہ تحفظ ختم نبوت کا مشن تجدید بیعت کا متقاضی ہے مگر کم مائیگی نے ۸ ماہ تک قدم جکڑے رکھے۔ کہاں وہ عالی نسب اور کہاں یہ قلم کا مزدور۔ مکالمہ شروع ہو تو کیسے؟ حقیقت میں بے سلیقہ ہونے کا احساس تھا اور کچھ ہجوم کار کا بہانہ۔ اب خیال تھا کہ تحریک ختم نبوت کے اجلاس کی خاطر برادر مکرم عبداللطیف خالد چیمہ تشریف لائیں گے تو اُن کے ہمراہ حاضر ہوں گے۔ وہ مسندِ شیخ کے وارث ہیں تو یہ مرید کے مرید۔ کوئی جواز کوئی بہانہ تو بہرحال ہونا چاہیے۔ کوئی نسبت تو بنے، پھر بڑوں کی اس ملاقات میں ہم بھی نیاز مندی کی راہ نکال لیں گے مگر افسوس کہ وقت کی مٹھی سے ریت کی طرح پھسلنے کا احساس ہی اُس وقت ہوا جب خالی ہاتھوں پر پچھتاوے کی خاک کے سوا کچھ باقی نہ بچا۔ اور خبر آ گئی کہ پیر نصیر الدین گولڑوی منزل ابدی کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کسی نے کہا اُن کا جنازہ بہت بڑا تھا۔ ملک کی تاریخ کے چند بڑے جنازوں میں سے ایک۔ کیوں نہ ہوتا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا تھا: ''ہمارا جنازہ ہمارے مقام کا تعین کرے گا۔'' کسی نے حیرت کا اظہار کیا کہ وہاں سبھی تھے۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث بلکہ اہل تشیع بھی، مگر اس میں اچنبھے کی کیا بات؟ وہ پیر مہر علی شاہ کے پڑپوتے تھے، صرف نسبی ہی نہیں فکری وارث۔ کوئی حیران ہے کہ وہ کتنے بڑے علم والے تھے، دو درجن کے قریب تصانیف، عربی، فارسی اور اردو میں، فکرِ عمیق اور وسعتِ مطالعہ کا نچوڑ اور لوگ انھیں ایک عام پیرزادہ ہی خیال کرتے رہے......! مگر اس میں نیا کیا ہے۔ اہلِ علم ہمیشہ اپنی مدت کے بعد بے نقاب ہوتے ہیں اور قیامت تک یاد رکھے جائیں گے۔ وہ ان سے قطعی مختلف ہوتے ہیں جو خود کو علامہ اور پھر شیخ الاسلام ثابت کروانے کی خاطر گلے میں ڈھول ڈال کر قریہ قریہ منادی کرتے پھرتے ہیں۔ بعد از مرگ اُن کی قبر تاریخ کے کوڑے داں کا مقدر بنتی ہے اور اولاد بھی بھول جایا کرتی ہے۔

جانے والا اپنا وقت گزار کر چلا گیا۔ اب یادیں ہیں اور باتیں جو پچھتاوے کو بڑھاتی رہیں گی۔ راولپنڈی کے ایک مکتبہ کے متعلقین بتا رہے تھے کہ وہ ان کے مستقل خریدار تھے۔ کوئی بھی کتاب نئی آئے وہ اس کے قدردان تھے۔ اپنی وفات سے محض ۴ روز قبل آئے اور کتابیں دیکھتے اور نکلواتے چلے گئے۔ بل بنا تو ۲۵ ہزار سے زائد کا تھا۔ ایک ساتھی نے لطف لینے کی خاطر چھیڑا: ''آپ نے ساری کتابیں دوسرے مسلک کی خرید لیں ارادہ کیا ہے؟'' فرمایا: ''طالب علم کا مسلک صرف علم ہے، اُسے فرقوں میں نہیں بانٹا جاسکتا۔''

ایک اور صاحب جو نعت خوانی کا شوق رکھتے ہیں، ماضی کو کریدنے لگے، وہ اُن کے ہم مسلک نہیں مگر سرِ راہ کسی محفل میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدحت نے اُن کو اتنا متاثر کیا کہ نعت خواں کے ساتھ ہی اُس کے جائے قیام پر آگئے۔ رات بیت گئی وہ اجنبی کے ساتھ بیٹھے عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ترانے گاتے اور سنتے رہے۔ یہاں تک کہ فجر ہوگئی اور فرمایا: ''تمہارا شکریہ اس رات کو قیمتی بنادیا۔'' پھر کئی بار اصرار کر کے بلایا اور صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو خراجِ عقیدت کی رات منائی۔

وہ جو اقبال سے منسوب ہے کہ ''یہ قوم مردہ پرست ہے، مرجانے پر مزار بناتی اور یادیں مناتی ہے۔'' مگر پیر نصیر الدین نصیر کا معاملہ ذرا مختلف ہے کہ اہل علم اُن کے اوصاف کے معترف تھے، وہ بھی جن کے ذہن فرقہ پرستی نے مصلوب کر رکھے ہیں، مگر جو اُن کا مقام تھا اُس کا اعتراف بہرحال نہ کیا جاسکا۔ شاید ادراک کی کمی تھی اور اس کی بڑی وجہ وہی فرقہ پرستی کا زہر کہ جس نے قوم کو کھوکھلا کر ڈالا۔ یہ سوچ ہی عنقا ہے کہ کوئی ہمارے دماغ کے سانچوں سے بڑا بھی ہوسکتا ہے۔ قوم کے حیطۂ خیال سے ہی ماوریٰ ہے کہ نہ علم کو خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے نہ اہل علم کو۔

پیر نصیر الدین اپنے پردادا کی طرح اتحادِ امت کے داعی تھے، وہ سب کے تھے، سب کو اپنا جانتے تھے۔ اللہ اُن کی قبر کو نور سے بھر دے کہ انھوں نے کرتب باز ملاؤں کی بھیڑ میں اپنے لیے الگ راہ چنی اور مسندِ علم کو آباد رکھا۔ جو ایک مشکل کام تھا مگر وہ مشکلات کا حل جانتے تھے خود اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انبیاء ، اولیا ، اہل بیت نبی　　تابعین و صحابہ پر جب آن بنی
سب نے سجدے میں گر کر یہی عرض کی　　تو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے